بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

مشرقی پاکستان میں فتنہ و فساد کی جو خوفناک آگ بھڑکائی گئی تھی اور جس کی دبی ہوئی چنگاریاں اب بھی وقتاً فوقتاً سلگ کر امنِ عامہ کو برباد کر رہی ہیں، یہ کوئی ایسا غیر متوقع حادثہ نہیں جسے بخت و اتفاق پر محمول کیا جاسکے۔ پاکستان کے سیاسی اُفق پر کئی سالوں سے ذہنی خلفشار اور فکری انتشار کا جو دھواں اٹھ رہا تھا وہ اس بات کی واضح شہادت فراہم کر رہا تھا کہ زیرِ زمین آگ لگی ہوئی ہے مگر ہمارے اربابِ اقتدار نے اقتدار کی رسہ کشی میں اس کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ دی بلکہ بعض حالات میں جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس کے بھڑکنے سے اُن کے اقتدار کی مدت میں توسیع ہو سکتی ہے تو انھوں نے اس جلتی ہوئی آگ کو ایندھن فراہم کیا اور اس طرح اس بات کا التزام کیا کہ اس کے شعلے فرو نہ ہونے پائیں۔

ماضی میں تو خیر جو کچھ ہوا سو ہوا مگر افسوس کہ اس وسیع پیمانے پر ملک کی بربادی دیکھنے کے باوجود اس ملک کے رہنے والوں کی آنکھیں نہیں کھلیں اور انہیں اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ اس قوم کے حقیقی خیر خواہ کون ہیں اور اس کے بد اندیش کون لوگ ہیں۔ کسی قوم کے سامنے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر اس کی زندگی اور اس کی تگ و دو کا مقصد کیا ہے؟ اس کے پاس نصب العین کی وہ کونسی مقناطیسی کشش ہے جو اس کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے سے جوڑ کر رکھ سکتی ہے؟ اور اس کے پاس وہ کونسا ضابطۂ اخلاق اور قانون ہے جو اس کے مختلف افراد اور طبقوں کے درمیان توازن پیدا کر کے ان کی زندگی کو عدل و انصاف کی بنیاد پر اُستوار کر سکتا ہے؟ کسی دوسری قوم کے لیے تو ہو سکتا ہے کہ ان سوالات کا کوئی معقول جواب ممکن نہ ہو یا اگر کوئی جواب ممکن بھی ہو تو اس کی صحت محلِ نظر ہو، یا اس کی صحت کو تجربے کی کسوٹی پر جانچ پرکھ کر دیکھ نہ لیا گیا ہو۔ مگر مسلم قوم کے لیے

ان سوالات میں سے کوئی سوال بھی ایسا نہیں جس کا اس کے پاس ہر لحاظ سے اطمینان بخش جواب موجود نہ ہو اور جسے طویل تاریخی تجربے کی روشنی میں سو فیصد صحیح ثابت نہ کیا جا چکا ہو اور پھر عقلِ سلیم نے اس کی تصدیق نہ کر دی ہو۔ مسلم قوم کے نصب العین، اس کے ضابطۂ اخلاق، اس کی ملی اساس، اس کے اجتماعی نظم، اس کے قومی شعور، اس کے فکر و نگاہ کے زاویوں اور اس کے عمل کے میدان کے مابین کوئی بُعد بھی پایا نہیں جاتا۔ ان سب کے درمیان اس قسم کی معنوی ترتیب موجود ہے کہ یہ سارے ایک ہی رُخ زیبا کے عکس دکھائی دیتے ہیں۔ یہ رُخ زیبا، خدا کا عطا کردہ نورِ ہدایت ہے جس سے زندگی کے سارے گوشے متنیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے دین ہی سے اس قوم کا نصب العین متعین ہوتا ہے، اسی سے اس کا ضابطۂ اخلاق تشکیل پاتا ہے، اسی سے اس کے ملی شعور کی پرورش ہوتی ہے، اور اس کی محبت ہی ملت کے مختلف طبقوں کے درمیان اخوت و یگانگت کے احساسات کی آبیاری کرتی ہے۔ یہ دین اس قوم کی روح اور اس کا جوہرِ حیات ہے اس کے بغیر اس قوم کی زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

یہ وہ حقیقت ہے جسے اس ملت کے دشمن تک تو پوری طرح سمجھ چکے ہیں مگر افسوس ہے کہ خود اس کے افراد نے ابھی تک اس کا ادراک نہیں کیا۔ اس لیے اس ملت کے بدخواہ جب بھی اس کی بربادی کا کوئی پروگرام ترتیب دیتے ہیں تو اس میں سب سے زیادہ خیال اس بات کا رکھتے ہیں کہ مسلم قوم کو کس طرح قوت و طاقت کے اس لازوال سرچشمے سے محروم کیا جائے۔ مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ زبان کی حد تک تو اس دین کی کسی نہ کسی طرح عزت و تکریم کرتے ہیں مگر عملی زندگی میں اسے کارآمد نہیں سمجھتے اور اصلاحِ احوال کے لیے جب کوئی نقشہ مرتب کرتے ہیں تو اس دین کو اس نقشے میں اس کا صحیح مقام دینے کے بجائے اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی وہ اصل سبب ہے جس کی وجہ سے ہماری ساری تدبیریں ناکام ہو رہی ہیں اور جو قدم بھی ہم آگے کی طرف بڑھاتے ہیں وہ ہمیں پیچھے کی طرف لے جاتا ہے۔ دُور نہ جائیے صرف گذشتہ چند ماہ کے واقعات پر نظر ڈالیے تو آپ کو اس دعوے کی صداقت معلوم ہو جائے گی۔

پاکستان کے مشرقی بازو کو ملک کے مجموعہ سے الگ کرنے اور مغربی بازو کے بھی حصے بخرے کرنے کے

پیسے جو تحریکیں سرگرمِ عمل ہیں ان سب کا طریقِ کار یہ ہے کہ کسی طرح اس ملک میں دین کے اثرات کو زائل کیا جائے اور اس کی جگہ لادینی تحریکوں کے اثر کو بڑھایا جائے، کیونکہ دینی اثرات کے ختم ہونے سے وہ قوت ختم ہو جائے گی جو ان دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے ہے۔ مشرقی پاکستان میں انسانی خون سے جو ہولی کھیلی گئی ہے اسے دیکھتے ہوئے بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیکولر ذہن کے غیظ و غضب کا ہدف کونسا طبقہ تھا جس پر سب سے زیادہ ظلم ڈھائے گئے۔ جن لوگوں نے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا ہے یا اخبارات کے ذریعے ظلم و تشدد کی جو روح فرسا خبریں آتی رہتی ہیں وہ اس حقیقت کی شہادت فراہم کرتی ہیں کہ وہاں ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت اِس بات کی کوشش کی گئی اور اب بھی کی جا رہی ہے کہ کسی طرح دین کا علمبردار طبقہ بالکل ختم کر دیا جائے۔ علماء کی ایک بہت بڑی تعداد دشمنِ دین لوگوں کی ستم رانیوں کا نشانہ بنی ہے اور ان میں سے بعض ایسی قابلِ قدر ہستیوں کو قتل کیا گیا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں پہاڑی کے چراغ اور زمین کے نمک کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کو ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت تباہ کیا جا رہا ہے تاکہ علم و عرفان کے چشمے جن سے لوگ سیراب ہوتے تھے وہ برباد ہو کر رہ جائیں اور اس طرح دینی تعلیم کا یہ سلسلہ بالکل منقطع ہو جائے اور آنے والی نسلیں دینِ حق سے ناآشنا ہو کر سیکولرزم کی پرستار کی حیثیت سے دنیا میں سرگرمِ عمل ہوں۔

علمِ دین کے خاتمے اور علماء کے قتل کی یہ کارروائیاں کوئی اچانک شروع نہیں ہوئیں بلکہ یہ سارا کام باقاعدہ ایک تدبیر کے تحت مختلف مراحل میں ہوا ہے۔ اس کا پہلا مرحلہ عوام کے ذہنوں اور خصوصاً نوجوان نسل کے ذہن میں اسلام کے بارے میں انتشار پیدا کرنا تھا۔ اس فکری انتشار کے ساتھ ساتھ اس کے اخلاق کو برباد کرنے کا اس طرح التزام کیا گیا کہ اخلاقی حدود و قیود اس کی نظر میں بیکار کی زنجیریں بن کر رہ گئیں جنہیں توڑنے اور پامال کرنے میں اسے لذت محسوس ہوتی تھی۔ اِس ذہنی انتشار اور اخلاقی انحطاط کا ردِ عمل یہ ہوا کہ دین اور دین کے علمبرداروں کے خلاف اُن کے دل میں عداوت پیدا ہوئی۔ چونکہ ملک کے معاشرتی ماحول میں وہ اسلام کے خلاف کھل کر کوئی بات کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا اس لیے اس نے نفرت کا دہانہ "مولوی اور مُلّا" کے خلاف کھول دیا اور اس بیچارے پر محض اس لیے یلغار شروع کی کہ وہ اس دین کو انتہائی نامساعد حالات میں سینے سے لگاتے ہوئے تھا جس کی اخلاقی ضابطوں کی پابندی اس ملک کے بگڑے ہوئے بے دین طبقے (جس کے ہاتھ میں بدقسمتی سے ملک کی زمامِ کار

بھی تھی، پریشان گزرتی تھی "ملا" کو معاشرے میں ذلیل اور رسوا کرنے کے لیے اس کے خلاف مختلف اوقات میں بڑی خوفناک سازشیں کی گئیں اور ایک منصوبے کے تحت اس بیچارے کی "قتلِ سیرت" (CHARACTER ASSASSINATION) کا التزام کیا گیا تاکہ وہ کسی التفات اور توجہ کا مستحق نہ رہے اور مسلم سوسائٹی اسے ایک سنگین گالی سمجھ کر اس سے نفرت کرنے لگے۔ اس "قتلِ سیرت" کے بعد جب اس بے دین طبقے کو یہ معلوم ہوا ہے کہ علماء کے حلقے میں ابھی کچھ سخت جان لوگ ایسے موجود ہیں جو ان مذموم اور ناپاک حملوں کے باوجود عزت و احترام کے ساتھ زندہ ہیں، اور ایک اچھے خاصے دائرے میں اپنے اثرات رکھتے ہیں تو اب ان کی کوشش یہ ہو گی کہ کسی طرح ان کی زندگی کے چراغ گل کر دیئے جائیں تاکہ اس ملک میں ان کی روشنی باقی نہ رہے اور یہاں ہر طرف تاریکیاں چھا جائیں۔ مشرقی پاکستان میں علماء اور دین کے علمبردار طبقے کے قتل و غارت کا جو بازار گرم ہے وہ اسلام اور پاکستان کو تباہ کرنے کا باقاعدہ ایک منصوبہ ہے، کیونکہ اسلام کے بغیر پاکستان کا وجود بلکہ تصور بھی یکسر بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ بنگلہ دیش تحریک کو جو لوگ مشرقی پاکستان کے باشندوں کے چھینے ہوتے حقوق کی بازیابی کی تحریک سمجھتے ہیں وہ شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔ تخریب وطن کی یہ تحریک درحقیقت سیکولرزم کا ایک طوفان ہے جسے پوری شدت کے ساتھ اس ملک میں اٹھایا گیا ہے تاکہ اسلام کے تصورِ قومیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی یہ مملکت صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور اس طرح اس تصورِ قومیت کی تکذیب ہو سکے۔ اگر یہ تحریک پامال حقوق کے خلاف مشرقی بازو کا فطری ردِ عمل ہوتا تو پھر اسلام اور اسلام کے علمبرداروں کو چن چن کر ہلاک کرنے کی منظم کوششیں نہ کی جاتیں۔ مشرقی پاکستان کے لوگ اگر اپنے جائز حقوق سے محروم ہیں تو اس محرومی میں وہاں کے علماء بھی برابر کے شریک ہیں۔ اس بنا پر وہ بھی اسی تعاون اور ہمدردی کے مستحق ہیں جس طرح کہ مشرقی پاکستان کے دوسرے باشندے۔ مگر ان بے چاروں سے ہمدردی کرنے کے بجائے انہیں برباد کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کے وجود سے اس رشتۂ اخوت کو برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے جو اسلام نے ہماری اجتماعی شیرازہ بندی کے لیے ہمیں عطا کیا ہے اور جس کے دم قدم سے خاک و خون کے وقتی رشتے مضمحل اور کمزور ہوتے ہیں۔ "بیچارے ملا" کو جو اس ملک میں ایک انتہائی قبیح اور ذلیل عنصر سمجھ کر ختم کیا جا رہا ہے اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ یہ فی الحقیقت ہمارے معاشرے کا سب سے زیادہ مجرم طبقہ ہے بلکہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کے وجود سے اسلام کا نظامِ فکر و اعتقاد، نظامِ عبادت اور نظامِ معاشرت کسی نہ کسی شکل میں قائم ہے اور یہ طبقہ اخلاقی بے راہروی اور مغرب پرستی کے خلاف بے سروسامانی کے باوجود سینہ سپر ہے۔ اسی وجہ سے علماء کا یہ مظلوم طبقہ سیکولرزم کے علمبرداروں کی آنکھ میں خار بن کر کھٹکتا ہے۔

کفر اسلام کے خلاف کس چابکدستی اور مہارتِ فن کے ساتھ صف آرا ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر بھی اور خود پاکستان اور مسلم ممالک میں بھی وہ اس جنگ کو بڑی ہنرمندی کے ساتھ لڑ رہا ہے اور جن لوگوں کو اس مقصد کے لیے اس نے میدان میں اُتارا ہے انہیں باقاعدہ ایک جنگی چال کے تحت آگے بڑھا رہا ہے۔ اس نے دین کے نام لیواؤں پر بیک وقت یلغار نہیں کی بلکہ جو طبقہ اس کے نزدیک کفر کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہے پہلے اس کی سرکوبی کی فکر کی جارہی ہے۔ اس نے دین کے علمبرداروں کو ختم کرنے کے لیے جو نقشہ بنایا ہے اس میں انہیں سب سے پہلے چار گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا گروہ اِن دینداروں پر مشتمل ہے جو اسلام کو محض عبادات اور چند اخلاقی پابندیوں تک محدود رکھتے ہیں۔ اُن کا یہ طرزِ عمل چونکہ نظامِ کفر کے لیے کوئی چیلنج نہیں رکھتا۔ اس لیے وہ بھی اس بے ضرر طبقے کو خندہ پیشانی سے برداشت کر رہا ہے بلکہ مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے وہ اس طبقے کی تعریف بھی کرتا ہے اور انہیں یہ باور کراتا ہے کہ اصل دینداری تو یہی ہے باقی سب دنیاداری ہے۔ دوسرا طبقہ اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو دین کے معاملے میں بظاہر فعال نظر آتے ہیں اور ان میں اجتماعی زندگی کی حرارت اور ولولے کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں مگر جن کے نظریات کافرانہ نظامِ حیات سے متصادم نہیں بلکہ اُس کے مماثل ہیں۔ یہ طبقہ بھی کفر کی نگاہ میں بڑا پسندیدہ طبقہ ہے اور وہ مذہبی احساسات رکھنے والے مغرب زدہ نوجوانوں کو اس طبقے میں شریک ہونے پر ابھارتا رہتا ہے۔ کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ جب کسی انسان کے فکری جہاز ایک مرتبہ بے لنگر ہو جائیں تو پھر طوفان اسے جس طرف چاہتا ہے بہا کرلے جاتا ہے۔ ان دو طبقوں کے علاوہ دین کے علمبرداروں کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو دین کا ایک محدود تصور رکھنے کے باوجود سیاسی زندگی میں سرگرم نظر آتا ہے۔ چونکہ اجتماعی زندگی اور اُس کے معاملات میں اس کا ذہن صاف نہیں ہوتا اس لیے کفر کی طاقتیں اسے آسانی کے ساتھ استعمال کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ کفر کے لیے سب سے زیادہ خطرناک طبقہ وہ ہے جو دین کا ایک جامع تصور لے کر میدان میں اُترتا ہے اور زندگی کے ہر گام پر الحاد سے ٹکراتا ہے۔ کافرانہ نظریات کے مقابلے میں وہ اسلامی عقائد لاتا ہے اور ہر اعتبار سے اُن کی فکری برتری ثابت کرتا ہے۔ مغربی معاشرت کے مقابلے میں وہ اسلامی معاشرت اور تمدن پیش کرتا ہے۔ غیر اسلامی معیشت اور سیاست کے مقابلے میں وہ اسلامی معیشت اور سیاست کی عظمت دلوں پر ثبت کرتا ہے۔ کفر کی یورش سب سے زیادہ اسی طبقے پر ہوتی ہے کیونکہ اس کی شکست کے بعد اُسے اسلام کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔ کفر خود بھی اس طبقے پر پے در پے حملے کرتا ہے۔

مگر وہ ہمیشہ ایسے مواقع کی تاک میں رہتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو دوسرے دیندار طبقوں کو اس کی دشمنی پر اُبھارا جا سکے خصوصاً جب اُسے تیسرے طبقے کی خدمات حاصل ہو جائیں تو اُسے بیحد خوشی ہوتی ہے اور وہ اس کی خدمات سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ کفر کی اس چال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سب سے پہلے چوتھے طبقے کو دوسرے دیندار طبقوں کی مدد سے ختم کیا جاتا ہے اور اس کے خاتمے کے بعد پھر انہیں بھی آہستہ آہستہ یا توڑ دیا جاتا ہے یا معاشرے میں بالکل ایک غیر مؤثر قوت بنا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھیے کہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی اور دوسرے اشتراکیوں نے جماعت اسلامی کو دشمن نمبر ایک سمجھ کر تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک اُن کے ناپاک عزائم کے لیے سب سے زیادہ خطرہ اسی جماعت سے ہے۔ یہ کفر کی ساری چالوں سے بخوبی واقف ہونے کی بنا پر ہر میدان میں اسی کا راستہ روکنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس لیے کفر بھی سب سے زیادہ اسی پر برافروختہ ہے اور اس کے کارکنوں اور ہمدردوں کو تاک تاک کر مار رہا ہے۔

جس طرح مشرقی پاکستان میں حالات آناً فاناً نہیں بگڑے بلکہ جو کچھ وہاں ہوا ہے وہ بتدریج ہوا ہے جس کی پیش بینی اور پیش بندی ہر مرحلے پر کی جا سکتی تھی، بالکل اسی طرح مغربی پاکستان میں بھی حالات کے تیور صاف بتا رہے ہیں کہ اگر یہاں صورتِ حال کو بگڑنے سے بروقت نہ روکا گیا تو ملک کا یہ حصّہ بھی تباہی سے محفوظ نہ رہ سکے گا اور یہاں بھی انسانی خون کی اُسی طرح ارزانی ہو گی جس کے روح فرسا مناظر ہم مشرقی پاکستان میں دیکھ چکے ہیں۔ جن حالات نے مشرقی پاکستان کو شعلۂ جوالہ بنایا تھا ان کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جس خاص قسم کی ذہنیت نے ملک کی بربادی کا سامان کیا وہ فاشسٹ ذہنیت ہے۔ یہ وہ ذہنیت ہے جس کے تحت کوئی آمر جائز و ناجائز طریقوں سے کام لیکر اور اخلاقی یا غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کے استعمال سے عوام کی گردنوں پر مسلط ہونے کی کوشش کرتا ہے اور جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح جس طرف چاہتا ہے اقتدار کی لاٹھی سے ہانکتا چلا جاتا ہے جس طرح اشتہائے کاذب ایک جسمانی عارضہ ہے بالکل اسی طرح فاشزم ایک ذہنی بیماری ہے جو انسان کے اندر حصولِ اقتدار کا جنون پیدا کر دیتی ہے۔ جو شخص بھی اس میں مبتلا ہوتا ہے اس کے نزدیک اقتدار کسی ارفع و اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں رہتا بلکہ بذاتِ خود مقصد بن جاتا ہے۔ اسے اس بات کی قطعاً کوئی تمیز

نہیں رہتی کہ اقتدار کن ذرائع سے حاصل کیا جا رہا ہے اور یہ ذرائع ملک میں تعمیری جذبات کو اُبھارنے والے ہیں یا تخریبی رجحانات کو جنم دینے والے۔ اقتدار کے اس "مجنون" کو تو صرف تختِ شاہی پر براجمان ہونے کی فکر دامنگیر ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ جان بوجھ کر ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جس سے اس کا مقصد جلد از جلد حاصل ہو۔ وہ قوم کی اخلاقی اور ذہنی تربیت نہیں کرتا بلکہ اس کے جذبات سے کھیلتا ہے۔ اور یہ جذبات بھی سراسر منفی ہوتے ہیں۔ وہ ایک علاقے یا بستی کے رہنے والوں کے دلوں میں دوسرے علاقے یا بستی کے رہنے والوں کے خلاف نفرت کے جذبات اُبھارتا ہے۔ اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ لوگ تمہارے حقوق بڑی بیدردی سے پامال کر رہے ہیں۔ علاقائی منافرت فاشزم کا خاصہ ہے جس سے تخریبی ذہن تیار کیے جاتے ہیں۔

فاشزم کا دوسرا حربہ تشدّد ہے۔ فاشسٹ کا کوئی کام بھی معقولیت، اعتدال، تدبّر اور امن پسندی سے طے نہیں پاتا بلکہ ہر کام عوام کے جذبات کے اندر اشتعال پیدا کر کے یا دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ فاشسٹ عناصر کی تکنیک یہ ہے کہ تعداد میں کم اور قوت میں کمزور ہونے کے باوجود وہ ملک کے اندر اور باہر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ملک کی سب سے بڑی طاقت ہیں اور حالات کو جس رُخ چاہیں بآسانی موڑ سکتے ہیں، کوئی دوسرا گروہ اُن کی اس قوت کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اس تاثر کو تقویت پہنچانے کے لیے وہ جگہ جگہ تشدّد کے مظاہرے کرتے ہیں اور مخالفین اور حکومت کو ہر طرح سے مرعوب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ وہ جو چاہیں کھلے بندوں کریں۔ عوام اُن سے خائف ہوں، حکومت اپنے ہر اقدام کے لیے ان کے اشارے کی منتظر ہو اور انتظامیہ پر عملاً اُن کا قبضہ ہو۔ دورِ جدید اور قدیم میں جن لوگوں نے بھی فاشسٹ ہتھکنڈوں سے کام لے کر عنانِ اقتدار پر قبضہ کیا ہے اُن کے لیے تشدّد اور دھونس ہی سب سے مؤثر ہتھیار ثابت ہوتے ہیں۔ ان ہتھیاروں کی مدد سے عوامی لیگ نے مشرقی بازو میں اپنا تسلّط قائم کرنے کی کوشش کی اور انہیں ہتھیاروں کو اب مغربی بازو میں بعض لوگ آزما رہے ہیں۔ حکومت کو مشرقی پاکستان کے واقعات سے عبرت پکڑنی چاہیے اور اس سیلاب کو روکنے کی فکر کرنی چاہیے پیشتر اس کے کہ طوفان سر سے گزر کر پورے ملک کو تباہی کی لپیٹ میں لے لے۔ سیاسی آزادی بڑی پسندیدہ چیز ہے مگر اس حد تک کہ ملک اور قوم تباہ نہ ہو۔ اس آزادی کی آڑ میں اگر کچھ لوگ قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یہ آزادی کا تحفظ نہیں بلکہ قاتلوں کی پشت پناہی ہے۔ مشرقی پاکستان میں عام معافی کی وجہ سے پہلے ہی ظالموں کے حوصلے بڑھ چکے ہیں اور جن لوگوں کے گھر بار تباہ ہوئے ہیں (باقی صفحہ ۴۹ پر)